

عدالتِ عظمیٰ پاکستان
(با اختیارِ سماعت اپیل)

موجود:

جناب جسٹس آصف سعید خان کھوسہ، جج
جناب جسٹس دوست محمد خان، جج
جناب جسٹس سجاد علی شاہ، جج

فوجداری اپیل نمبری ۴۷۸، ۴۷۹ / ۲۰۱۵

زیرِ شق (۳) ۱۸۵، دستورِ اسلامی جمہوریہ پاکستان مجریہ سال ۱۹۷۳ء

(برخلاف حکم آخر عدالتِ عالیہ لاہور مورخہ ۰۸-۰۷-۲۰۱۱ بر فوجداری عرضداشت
نمبری ۱۳۳ سال ۲۰۰۳ء و عرضداشت نمبری ۲۹۸ سال ۲۰۰۴ء و قتل حوالہ نمبر ۱۰-ٹی-۲۰۰۳)

سجاد احمد

بلال درانی

(اپیل کنندگان)

بنام

(مسئول علیہ)

سرکار

منجانب اپیل کنندہ سجاد: جناب سردار محمد لطیف خان کھوسہ، اعلیٰ وکیل، عدالتِ عظمیٰ

منجانب اپیل کنندہ بلال: جناب چوہدری اعتراف احسن، اعلیٰ وکیل، عدالتِ عظمیٰ
جناب گوہر علی خان، وکیل عدالتِ عظمیٰ

منجانب سرکار: جناب میاں عبدالروف، اعلیٰ سرکاری وکیل، اسلام آباد

منجانب شکایت کنندہ: جناب میاں محمد الیاس، وکیل عدالتِ عظمیٰ

تاریخ سماعتِ مقدمہ: ۱۶ جنوری، ۲۰۱۸

فیصلہ / حکم آخر

دوست محمد خان، منج:-

مختصر حالات مقدمہ: بذریعہ فیصلہ ہذا مندرجہ بالا دونوں اپیل ہائے کا فیصلہ مقصود ہے کیونکہ دونوں اپیل ہائے عدالت عالیہ لاہور کے ایک ہی فیصلے مورخہ ۰۸-۰۷-۲۰۱۱ کے خلاف دائر کی گئی ہیں نیز یہ کہ مقدمہ ایک ہی ابتدائی اطلاعی رپورٹ میں سزا کے خلاف دائر کیا گیا ہے اور چونکہ مقدمے کے قانونی اور واقعاتی پہلوؤں میں یکساں نکات زیر بحث آچکے ہیں۔ دونوں اپیل کنندگان کو انسدادِ تخریب کاری عدالت نمبر-۲ راولپنڈی ڈویژن و اسلام آباد نے مقدمہ علت نمبر ۳۵۷ مورخہ ۲۱-۰۸-۲۰۰۲ تھانہ صنعتی علاقہ اسلام آباد زیر دفعات ۳۴/۳۰۲ و ۳۶۵ کے تعزیراتِ پاکستان کو وقفہ دہسہ یہ گمردی قانون مجریہ ۱۹۷۷ کے تحت قصور وار پا کر سزائے موت سنائی جس کو زیرِ نظر فیصلہ عدالت عالیہ لاہور کی رو سے بحال رکھا گیا اور مر اسلہ فوجداری نمبری ٹی۔۱۰/۲۰۰۳ زیر دفعہ ۳۷۷ ضابطہ فوجداری پاکستان کو توثیق بخشی۔

خلاصہ مقدمہ:

۲۔ ابتدائی اطلاعی رپورٹ کے مطابق مسمی الطاف حسین بٹ (گواہ استغاثہ نمبر ۱۳) مستغیث تھانہ آئی۔نائن۔ اے اسلام آباد میں مورخہ ۲۱-۰۸-۲۰۰۲ بوقت ۳:۵۰ بجے دن رپورٹ کرتے ہوئے بیانی ہوا کہ محلِ عرصہ بمطالعہ اہل خانہ بیرونِ ملک، بیاجیہ، م میں رہائش پذیر ہے جبکہ اس کے مقتول بیٹے جنید الطاف بٹ بعمر ۲۲/۲۳ کو سال ۲۰۰۰ میں نجی درسگاہ مارگلہ ادارہ سائنس بابت صحت واقع بحریہ ٹاؤن میں داخلہ دلویا۔ مقتول گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے مستغیث اور خاندان کے پیلیٹیا، م گیا جہاں سے وہ مورخہ ۸۔ اگست ۲۰۰۲ کو واپس اپنے بنگلہ نمبر ۳۸۲ علاقہ آئی۔ ایٹ / تھری آگیا تھا۔ مزید کہا کہ وہ روزانہ اپنے بیٹے سے فون پر رابطہ رکھتا تھا تاہم مورخہ ۱۱۔ اگست ۲۰۰۲ بروز اتوار سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ لہذا پڑوسی کے ملازم سے رابطہ کرنے پر بتایا گیا کہ مقتول ۱۱۔ اگست کو اپنی کار نمبر ایس ٹی جے۔۲۸۹ ہنڈا برنگ سنہری میں بوقت تقریباً دو بجے دن گھر سے نکلا لیکن واپس نہیں آیا۔ اپنے ابتدائی بیان میں مزید کہا کہ مقتول کے پاس نقد رقم چالیس / پچاس ہزار روپے اور گشتی فون نمبر ۹۵۵۹۵۵۶-۰۳۰۰

ہوتا تھا اس دوران مورخہ ۱۴۔ اگست ۲۰۰۲ بروز بدھ مقامی وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے دن مستغیث کے گشتی فون نمبر ۵۲۳۶۷۹۸-۰۳۲۲ پر کسی نے رابطہ کیا اور کہا کہ ای میل کھاتہ رابی سٹار کھول کر بیٹے کا پیغام ملاحظہ کرے۔ مستغیث کے نام و پتہ پوچھنے پر فون بند کیا گیا۔ فون کرنے والا شخص پنجابی زبان میں بات کر رہا تھا۔ یوں تشویش میں مبتلا ہو کر وہ پہلی پرواز سے پاکستان آیا اور مقتول کے دوستوں سے معلومات کیں لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ مزید بیانی ہوا کہ اس کے مقتول بیٹے کو مدنی پراپرٹی ڈیلر سنگم مارکیٹ آئی۔ ایٹ / تھری اسلام آباد کے رانا شیر محمد نے پراپرٹی کمیشن کے تنازعہ پر خطرناک نتائج کی دھمکیاں دی تھیں اور چونکہ مقتول کے گشتی فون نمبر ۹۵۶۰۶۲۳-۰۳۰۰ جو کہ جنید کے نام پر ہے کو ۱۲۔ اگست بوقت رہ بجے دلہا مختصر دورا سے یہ کی کال کی گئی اس طرح عدیل نعمان اور اس کے ساتھی طلبا کو مشکوک قرار دیا گیا۔ اسی اطلاع پر مقدمہ بالا درج کیا گیا۔

۳۔ تفتیشی افسر نے مقدمہ ہذا کا رخ خمدار طریقے سے کئی زاویوں میں موڑا۔ کچھ مشکوک افراد کو زیر حراست رکھا گیا تاہم ریکارڈ کے مطابق ان کو بعد میں چھوڑا گیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مقتول کی پراسرار گمشدگی سے متعلق شہباز بٹ (گواہ استغاثہ نمبر ۴) نے مورخہ ۱۴-۰۸-۲۰۰۲ کو پولیس مقامی کے پاس رپورٹ درج کرائی تھی اور مختلف اخبارات میں اشتہارات چھپوائے گئے تھے۔

۴۔ تفتیشی ہم کاروں کے سربراہ نے اس مبینہ پی سی او کا سراغ لگایا جہاں سے اس کے والد کو فون ملایا گیا تھا مزید یہ کہ مسمی محمد عارف (گواہ استغاثہ نمبر ۳) از خود تفتیشی افسر کے سامنے پیش ہوا اور بیان دیا کہ اس نے مورخہ ۱۱-۰۸-۲۰۰۲ بوقت ایک یا دو بجے دن مقتول کو اپنی گاڑی میں ٹریفک کے اشارے پر نزد پولیس مرکز اسلام آباد سجاد احمد اپیل کنندہ کے ہمراہ دیکھا تھا اور کار کا رخ پشاور کی جانب تھا۔ کافی تاخیر کے بعد مورخہ ۲۷-۰۸-۲۰۰۲ مستغیث نے مد بیان پولیس کو قلمبند کروایا جس میں سجاد احمد، شہزاد عالم اور زاہد سلیم کو ملزمان ٹھہرایا گیا۔ سجاد احمد اپیل کنندہ نے پولیس کے سامنے مبینہ طور پر انکشاف کیا کہ اس نے حاضر رحمان اور قیصر احمد کے ساتھ مل کر مقتول کو برائے تاوان اغوا کیا اور بعدہ اس کو قتل کیا تاہم قتل کرنے سے پہلے اس کا ایک پیغام اپنے والد کے نام چھوٹی سائز کے آلہ صدا بندی (ٹیپ ریکارڈر) میں محفوظ کیا اور یہ کہ مقتول کی نعش کو انہوں نے احمد آباد تھانہ نوشہرہ کلاں کی حدود میں دفن کیا۔ تفتیشی افسر کے بذریعہ ٹیلیفون واحد گل، نائب عہدہ دار (اسسٹنٹ سب انچارج) چوکی خواجہ یسہ کی سے رابطہ کرنے پر

معلوم ہوا کہ ایک شخص کی اس اطلاع پر کہ نہر احمد آباد کے قریب ایک شخص کی نعش پڑی ہے وہ بمعہ دیگر پولیس نفری موقع پر گیا۔ نعش برآمد کرنے پر انہوں نے فرد مقبوضگی نعش (P.1) اور فرد صورت حال (EX.PL) تیار کر کے نعش کو سول ہسپتال نوشہرہ لے گیا اور نعش کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اس کو نوشہرہ میں دفن کیا اور اخبارات میں نعش کی تصویریں چھپوائیں۔

اس کے فوراً بعد مستغیث نے نائب انسپکٹر واحد گل سے خود رابطہ کیا اور وہاں جا کر اپنے بیٹے کی نعش کی تصویریں اور پارچات جو نعش سے لی گئیں کو شناخت کیا بعدہ بحکم عدالت اس کی نعش کی قبر کشائی کی اور اپنے آبائی علاقے میں دفن کرنے کیلئے لے گیا۔

۵۔ دورانِ تفتیش سجاد احمد اپیل کنندہ کو تفتیشی افسر مددگار پولیس۔ ۱۵ کے کمپیوٹر شعبہ میں لے گیا جہاں سے انہوں نے مبینہ طور پر مقتول کے والد کو برقی پیغام بھیجا تھا اور یوں متعلقہ دستاویزات قبضے میں لیں۔ سجاد ملزم کی نشاندہی پر مقتول کا بٹوہ اور چھوٹی ساخت کا آلہ صدابندی (ٹیپ ریکارڈر) قبضے میں لیا گیا نیز تعلیمی مہمان خانہ طلباء (ہاسٹل) کے عقب میں جنگل سے مقتول کے گشتی فون کے ٹکڑے اکٹھے کئے گئے۔

۶۔ مورخہ ۲۹-۰۸-۲۰۰۲ کو اسلم پرویز بٹ (گواہ استغاثہ نمبر ۲) نے پشاور موٹر اسلام آباد کے قریب اپیل کنندہ بلال درانی کو تفتیشی افسر کے سامنے پیش کیا جنہوں نے تفتیشی افسر کے سامنے سجاد احمد اپیل کنندہ کی طرز پر اقبال جرم کیا اور اس کی نشاندہی پر مبینہ طور پر مقتول کی گاڑی کو مورخہ ۰۲-۰۹-۲۰۰۲ کو اس کے گھر واقع ڈھیری زردار میں گیراج سے برآمد کیا۔ متذکرہ گاڑی تھانے میں لا کر کھڑی کی گئی۔ چند روز بعد بلال اپیل کنندہ نے ۳۰ بور پستول کی نشاندہی کرتے ہوئے گاڑی کی پچھلی سیٹ کے عقبی حصے سے برآمد کیا جو کہ قبضہ پولیس ہوا۔ اسی تفتیشی افسر نے ایک اور ملزم قیصر احمد کو گرفتار کیا اور اس کی نشاندہی پر مورخہ ۰۹-۰۹-۲۰۰۲ کو لیس دارپٹی (ٹیپ) اور روٹی برآمد کی جس کے ذریعہ مقتول کے ہاتھ باندھے گئے اور روٹی جو مقتول کے منہ میں ٹھونس گئی تھی۔ اس کے بعد حاضر رجن بری شدہ ملزم کو گرفتار کیا گیا جس کی نشاندہی پر مقتول کی کلائی گھڑی اور مبلغ دو ہزار روپے کی رقم اس کے گھر واقع احمد آباد صوبہ خیبر پختونخواہ سے برآمد کی۔ تفتیشی افسر نے ملزمان کے گشتی فون کا محفوظ شدہ کھاتہ بھی قبضہ میں لیا اور بیانات قلمبند کرنے کے بعد چالان داخل عدالت کیا۔

۷۔ دورانِ سماعت مقدمہ درج ہوئے یہ گہری عدالت استغاثہ نے کل اٹھارہ گواہان پیش کئے اور اختتام مقدمہ پر ملزمان گرفتار شدہ کو سزائے موت کے علاوہ مختلف سزائیں قید و بند سنائی گئیں، تاہم عدالت عالیہ نے حاضر رجمن اور قیصر احمد کو رہا کرنے کا حکم دیا جبکہ دونوں اپیل کنندگان کی سزائیں بحال رکھیں۔

۸۔ مورخہ ۲۸-۱۰-۲۰۱۵ کو عدالت ہذا نے دونوں اپیل کنندہ کو اپیل ہائے دائر کرنے کی یوں اجازت بخشی کہ چونکہ مقدمہ ہذا میں کوئی چشم دید شہادت میسر نہیں ہے اور نہ ہی ابتدائی اطلاعی رپورٹ میں اپیل کنندگان پر کوئی دعویداری کی گئی اور دونوں اپیل کنندگان کو دوران تفتیش واقعاتی شہادت کی بنا پر گنہگار ٹھہرایا گیا لہذا ایسی صورت میں انصاف کے اصولوں کا تقاضا ہے کہ جملہ شہادت پیش کردہ کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔

۹۔ ہم نے چوہدری اعتراز احسن صاحب اور محمد لطیف کھوسہ صاحب فاضل وکلاء برائے اپیل کنندگان، فاضل اعلیٰ سرکاری وکیل میاں عبدالرؤف اور فاضل وکیل برائے مستغیث مقدمہ کے دلائل تفصیل سے سماعت کئے اور جملہ شہادت بر مثل کا انتہائی باریک بینی اور محتاط طریقے سے مشاہدہ کرتے ہوئے جائزہ لیا۔

۱۰۔ وکیل اپیل کنندہ بلال درانی کے مطابق چونکہ وقوعہ پر اسرار واقعات پر مبنی ہے اور یہ کہ اپیل کنندہ نے نہ تو پولیس کو اور نہ ہی مقامی مجسٹریٹ کے سامنے اقبال جرم کیا اور کافی عرصہ پولیس کی تحویل میں رہنے کے باوجود اس کے خلاف کوئی قابل قبول شہادت جس پر عدالتی انحصار کیا جاسکے صفحہ مثل پر نہیں لائی گئی ہے۔ اپنے دلائل کو بڑھاتے ہوئے مقدم فاضل وکیل نے زور دیتے ہوئے اپنا مدعا یوں بیان کیا کہ چونکہ مقدمہ ہذا میں واقعاتی شہادت مختلف ٹکڑوں پر مبنی ہوئی ہے اور کسی بھی کڑی کا دوسری کڑی کے ساتھ کوئی ربط تو دور کی بات اس کا کسی قسم کا نزدیکی ملاپ بھی نظر نہیں آتا اور اپیل کنندہ بلال درانی کو انتہائی کمزور، شکوک سے بھرپور، لاغر اور ناقابل یقین واقعاتی شہادت پر ناکردہ گناہ کی سزا دی گئی ہے جو کہ انصاف کے مسلمہ اصولوں کے عین خلاف ہے۔

۱۱۔ مقدم فاضل وکیل اعتراز احسن دلائل دیتے ہوئے تقریری ہوئے کہ اپیل کنندہ سجاد احمد کو بھی انتہائی کمزور، ناقابل فہم، ناقابل عمل، ناقابل یقین شہادت اور مفروضوں کی بناء پر سزائے موت کے علاوہ دیگر سزائیں سنائی گئیں جو کہ شہادت سے اس کا جرم کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ انہوں نے مزید دلیل دی

کہ اس کے مؤکل کے خلاف استغاثہ کے گواہ نمبر ۳ نے جو نامعلوم تاخیر سے واقعاتی شہادت فراہم کی ہے کہ اس نے مقتول کو اس کے ساتھ کار میں ٹریفک کے اشارے پر اسلام آباد میں دیکھا تھا قطعی ناقابل یقین اور ناقابل بھروسہ ہے کیونکہ اول تو اس گواہ کا ذکر مستغیث نے کافی عرصے تک نہیں کیا اور دوسرا یہ کہ گواہ کی نہ تو مقتول کے گھر کے قریب کوئی رہائش ہے اور نہ اس سے کوئی ناٹھ یا تعلق رہا ہے بلکہ اس نے ٹھیکہ پر تعمیراتی کام نزدیکی مکان میں لیا تھا جس کا انہوں نے کوئی دستاویزی ثبوت پیش نہیں کیا اور نہ ہی اس گواہ کی تائید کسی دوسری شہادت سے ہوئی ہے۔ نیز مقتول کو کب اغوا کیا گیا اور نعرش برآمدگی کی جگہ اسلام آباد سے تقریباً سو کلومیٹر دور واقع ہے لہذا اسی گواہ کی شہادت کو اگر عارضی طور پر درست تصور کیا جائے پھر بھی تاریخ مرگ مقتول اور اس قدر طویل فاصلے کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی ربط قائم نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ جو برقی اطلاع (ای۔ میل) رابی سٹار کے نام سے ہوئی ہے وہ تفتیشی ادارے کی کارستانی ہے جو کہ بدینتی پر مبنی ہے کیونکہ یہ قطعی طور پر ناقابل یقین امر ہے کہ ملزم نے گھناؤنے جرم کے ارتکاب کے بعد مددگار پولیس۔ ۱۵ کے کمپیوٹر شعبے کا انتخاب کیا ہو گا۔ نیز یہ کہ شہادت بر مثل سے یہ امر کہیں ثابت نہ ہے کہ رابی سٹار مستغیث یعنی والد مقتول کا واقعی برقی کھاتہ تھا اور یہ کہ استغاثہ کی بدینتی اسی امر سے بھی با آسانی اخذ کی جاسکتی ہے کہ اس کھاتے کو متعلقہ کمپنی کے ذریعے نہیں کھولا گیا تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اس کھاتے کو مستغیث نے بند کرنے سے پہلے کسی طور پر بروئے کار لایا تھا اور اس کے برقی پیغامات کی وصولی اور بھیجے جانے کا ریکارڈ معلوم نہ کرنا انتہائی شکوک و شبہات کو جنم دیتا ہے۔ نیز یہ کہ کہیں پر بھی شہادت استغاثہ سے ثابت نہیں ہے کہ یہ پیغام مقتول کے ذریعے بھیجا گیا تھا کیونکہ بوقت برقی اطلاع (ای۔ میل) مقتول قتل ہو چکا تھا اور اس کی آواز کی شناخت جو کہ مبینہ طور پر آلہ صدا بندی (ٹیپ ریکارڈر) میں محفوظ کی گئی تھی قانونی تقاضے پورے کئے بغیر مثل مقدمہ کا حصہ بنایا گیا اور نہ ہی کسی ماہر شناخت صدا کے پاس موازنے کیلئے بھیجی گئی۔ نیز اگر مقتول سے اپیل کنندہ نے یہ برقی پتہ (ای۔ میل) حاصل کیا ہو تا تو درست زیر استعمال برقی پتہ ہوتا نہ کہ مبینہ بند کھاتہ۔

۱۲۔ مقدم فاضل وکیل پر زور دلیل دیتے ہوئے تقریری ہوا کہ جب بھی عدالت کے سامنے کسی بھی نقطے پر تفتیش کار کی بدینتی سامنے آجائے تو پوری شہادت جو اس نے بر مثل لائی ہے کو انتہائی شک کی نظر سے دیکھا جائے گا حتیٰ کہ اس کی تائید انتہائی قابل اعتبار اور قابل بھروسہ مضبوط اور غیر جانبدار تائیدی شہادت

سے ہو جو کہ مقدمہ ہذا میں ناپید ہے یوں انہوں نے اپیل کنندہ سجاد احمد کی بریت کی استدعا کی اور مزید بیانی ہوئے کہ اگر جملہ شہادت بر مثل کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ایک طرف تو اس کی ساری کڑیاں مختلف سمتوں میں بکھری ہوئی ہیں اور دوسری طرف تفتیش کاروں کی بد نیتی اور فریب کاری کا عنصر نمایاں ہے لہذا اس قسم کی شہادت کو کسی بھی طور قانون اور انصاف کے اصولوں کے مطابق سزائے موت یا کسی بھی سزا کیلئے مناسب اور قوی تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تفتیش کے مرحلے پر تفتیش کاروں نے ایک بے جان مقدمہ میں مصنوعی شہادت کے ذریعے روح پھونکنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۱۳۔ دوسری جانب فاضل اعلیٰ وکیل سرکار اسلام آباد اور فاضل وکیل مدعی نے دونوں عدالتوں کے احکام بابت سزایابی اپیل کنندگان کا تحفظ کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ چونکہ مستغیث نے اپیل کنندگان پر براہ راست دعویٰ داری نہیں کی اور یوں اس کی کوئی بد نیتی ظاہر نہیں ہوتی نہ ہی ان کے ساتھ اس کی سابقہ کوئی رنجش رہی ہے اور چونکہ جس پیچیدہ طریقہ سے وقوعہ اغوا برائے تاوان اور قتل رونما ہوا، تو ایسی صورتحال میں وقوعے میں شہادت کی کڑیاں اکٹھا کرنا ایک مشکل امر ہوتا ہے یوں اگر معمولی نوعیت کی کوتاہی تفتیشی افسران سے سرزد ہوئی ہے تو اس کو حالات و واقعات مقدمہ کی رو سے درگزر کیا جاسکتا ہے تاہم فاضل سرکاری وکیل اپیل کنندہ بلال درانی کی جرم میں ملوث ہونے سے متعلق نیک نیتی اور معقولیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقراری ہوا کہ بادی النظر میں اس کے خلاف شہادت استغاثہ کمزور ہے اور شک کا فائدہ دیا جاسکتا ہے تاہم اپیل کنندہ سجاد احمد کا گواہان استغاثہ کے سامنے اقبال جرم اور اس کی نشاندہی پر برقی آلہ صدا بندی (ٹیپ ریکارڈر) جس میں مقتول کی آواز بند ہے کی برآمدگی اور چونکہ اس نے مقتول کے والد کے مبینہ بند برقی کھاتے پر جو برقی پیغام (ای۔ میل) بھیجا ہے اس کی مجروریت ثابت ہوتی ہے اور اس کو سزایابی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

۱۴۔ وکیل مستغیث نے زوردار دلائل دیتے ہوئے جملہ شہادت بر مثل بشمول اس امر کے جو کہ اپیل کنندہ کو مقتول کے ساتھ آخری بار دیکھا گیا اور اس کی نشاندہی پر مقتول کی کچھ اشیاء برآمد کیں نیز برقی پیغام (ای۔ میل) جو کہ والد مقتول مستغیث کے متذکرہ برقی کھاتے پر بھیجی گئی اور پولیس کے روبرو جرم کا اقرار کیا کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ اپیل کنندگان کو درست طور پر شہادت کی رو سے سزائیں سنائی گئی ہیں لہذا وہ کسی رعایت کے حقدار نہیں ہیں۔ کیونکہ نوعیت جرم انتہائی سفاکانہ ہے۔

۱۵۔ عدالت نے وکلاء کے دلائل سننے کے ساتھ جملہ شہادت بر مثل کا باریک بینی سے جائزہ لیا تاہم کچھ واقعاتی اور قانونی نکات ہمارے سامنے آئے جن کو زیر بحث لانا لازم ہے۔

سب سے پہلے واقعاتی شہادت سے متعلق عدالتی نظائر کی رو سے جو واضح اور جامع اصول بیان کئے گئے ہیں اس کا احاطہ کرنا انتہائی مناسب سمجھا جاتا ہے جو کہ ذیل میں دیئے جاتے ہیں:-

"(الف) واقعاتی شہادت کا قابل بھروسہ ہونے وہ بھی ایسے جرائم میں جن میں سزا موت یا عمر قید ہو کیلئے لازمی شرط یہ ہے کہ اس کی تمام کڑیاں ایک مسلسل زنجیر کی شکل بنا کر ایسا باہمی ربط پیدا کریں کہ اس زنجیر میں کوئی دراڑ یا خلاء نہ ہو اور اس زنجیر کا ایک سر مقتول کی نعش کو چھوئے اور دوسرا سزا ملزم کے گلے تک پہنچے کیونکہ اگر اس مسلسل کڑیوں والی لڑی میں کوئی بھی ایک کڑی غائب ہو تو واقعاتی شہادت پر کسی کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دینا انصاف اور قانون کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو گا۔

(ب) واقعاتی شہادت معقول اور قابل یقین ہونے کے ساتھ ساتھ غیر جانبدار اور قابل بھروسہ ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو جو کہ ملزم کی مجرمیت کو حتمی طور پر دوام بخشنے۔

(ج) واقعاتی شہادت کو حاصل کرنے میں چونکہ تفتیش کار یا تفتیشی ادارے کا انتہائی اہم کردار رہتا ہے لہذا ایسی شہادت کو اکٹھا کرنے یا اس کے حصول کے دوران ہر مرحلے پر تفتیش کاروں کے کردار کا جائزہ بغور لینا عدالتوں کیلئے انتہائی اہم اور لازمی شرط ہے کیونکہ واقعاتی شہادت کے حصول میں بددیتی سے کام لینے کا عنصر عموماً پایا جاتا ہے لہذا تفتیش کاروں کے طریقہ کار کو اول سے آخر تک عدالتی نظائر کی رو سے انتہائی احتیاط کے ساتھ جانچنا لازمی امر ہے بلکہ عدالت کے فرائض منصبی کا ناقابل شکست تقاضا ہے۔

(د) واقعاتی شہادت کے حصول میں تاخیر بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ ناجائز تاخیر تفتیش کاروں کے کردار کو مشکوک بنا دیتی ہے اور یوں شہادت حاصل کردہ کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

(ه) اگر عدالت کو واقعاتی شہادت کے حصول اور مرتب کرنے میں تفتیش کاروں کے بددیانتی پر مبنی ارادوں کا کسی قسم کا عنصر دکھائی دے تو ایسی شہادت کو رد کرنا قرین انصاف ہو گا۔

(و) اگر واقعاتی شہادت کا ایک حصہ نامعقول اور ناقابل بھروسہ ہو اور تفتیش کار نے ارادنا اس کو قابل بھروسہ اور معقول بنانے کی دانستہ طور پر مصنوعی سعی کی ہو تو اس قسم کی دوسری قابل بھروسہ شہادت کو بھی ناقابل یقین سمجھا جائے گا کیونکہ ایسے واقعات اور مقدمات عدالتی نظائر کی رو

سے سامنے آئے ہیں جن میں تفتیش کاروں نے عدالت کو غلط نتیجے پر لے جانے کی دانستہ کوشش کی
تاہم اس قسم کی شہادت کو عمومی طور پر رد کیا گیا ہے۔"

۱۶۔ اس ضمن میں مقدمہ بعنوان فاضل الہی بنام حکومت شاہی (Crown) شائع شدہ [پاکستان نظائر کار سالہ (پی ایل ڈی) سال ۱۹۵۳ وفاقی عدالت صفحہ ۲۱۴] پر تفصیل سے اصول وضع کئے گئے ہیں۔ نیز مقدمہ بعنوان محمد فیاض بنام سرکار [پاکستان نظائر کار سالہ (پی ایل ڈی) سال ۱۹۸۴ عدالت عظمیٰ صفحہ ۴۴۵] اہلہ مقدمہ بعنوان Lejzor Teper بنام ملکہ برطانیہ [پاکستان نظائر کار سالہ سال ۱۹۵۲ (Privy Council) صفحہ ۱۱۹] پر یہی اصول زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور انہی اصولوں کی ابھی تک عدالت عظمیٰ اور عدالت ہائے عالیہ اعادہ اور توثیق کرتی چلی آرہی ہیں اور یوں اس کو دائمی قانون کا درجہ ملا ہے جس سے کسی قسم کا اختلاف کرنا ناممکن امر ہے۔

۱۷۔ مندرجہ بالا واضح مسلمہ اصول قانون و انصاف کی رو سے مقدمہ ہذا میں مختلف تفتیش کاروں خصوصاً تفتیش کار خاص کا کردار بوقت حصول شہادت واقعاتی کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہے۔ شہادت بر مثل کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مقتول اپنے خاندان سے دور اکیلے اسلام آباد کے مذکورہ بالا مکان میں رہائش پذیر تھا اور طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کاروباری شخص بھی تھا اور جیسا کہ ابتدائی اطلاعی رپورٹ میں اظہار کیا گیا ہے کہ اس کی جائیداد کے خرید و فروخت کے سلسلے میں کمیشن کے تنازعے پر مبینہ دو افراد سے سخت رنجش چلی آرہی تھی لیکن سرسری پوچھ گچھ اور حراست کے بعد ان کو رہا کیا گیا اور نیز مزید مشکوک لوگوں کو گرفتار کر کے تفتیش کے بعد چھوڑا گیا۔ یہ امر انتہائی قابل ذکر ہے کہ استغاثہ کی کہانی کی ابتدا مقتول کے گھر سے موٹر کار میں نکلنے سے شروع ہوتی ہے جو کہ مستغیث کے مطابق اس کے پڑوسی کے ملازم نے ان کو بیاجیہ م فون پر بتایا تاہم اس شخص کے نام اور کردار کو مخفی رکھا گیا نیز (گواہ استغاثہ نمبر ۳) محمد عارف بٹ جو کہ مستغیث کا قریبی جاننے والا ہے نے مقتول کو اپیل کنندہ سجاد احمد کے ساتھ کار میں دیکھا لیکن کافی دنوں تک لب کشائی نہ کی اور ابتداء ہی سے مقدمہ ہذا مشکوک و شبہات کا شکار ہوتا ہے مزید یہ کہ اگر اس گواہ کی شہادت کو قابل یقین بھی سمجھا جائے پھر بھی اس واقعاتی شہادت کی کڑی مقتول کی جائے قتل، تاریخ و وقت سے کافی دور اور مختلف ہے لہذا اس طویل فاصلے اور وقت کے دوران اپیل کنندہ سجاد احمد کا مقتول سے جدا ہونے کا قوی امکان پایا جاتا ہے مزید یہ کہ گواہ مذکورہ کی شہادت کو اتفاقیہ شہادت کا درجہ حاصل ہے جو قانون کی رو سے قابل بھروسہ نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اس نے اتفاقاً رہ چلتے ہوئے مقتول کو

اپیل کنندہ سجاد احمد کے ساتھ اتنی بھیڑ بھاڑ میں دیکھا جبکہ مبینہ وقت پر اس کو تعمیراتی مقام پر ہونا چاہئے تھا مزید یہ کہ مرکزی / صدر دفتر پولیس (پولیس لائنز) کے قریب جانے کی اس نے کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی۔

۱۸۔ مقدمہ ہذا میں انتہائی قابل توجہ امر یہ ہے کہ جب مقتول کو تاوان کیلئے اغوا کیا گیا تو ملزمان کو ایسی کون سی مشکل وقت یا خطرہ پیش آیا کہ مقتول کو قتل کرنا ضروری ٹھہرا، اس قسم کی کوئی شہادت مثل مقدمہ پر موجود نہیں چونکہ مقتول کو زندہ لوٹانا ہی تاوان کی رقم کے حصول کا ذریعہ تھا لہذا اس کو ٹھکانے لگانا عدالت کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ مستغیث اور فاضل سرکاری وکلاء کے مطابق چونکہ مقتول کا پیغام آلہ صدا بندی (ٹیپ ریکارڈر) میں محفوظ کیا گیا تھا لہذا وہ مستغیث یعنی والد مقتول کو دھوکہ دینے کی خاطر استعمال کیلئے کافی تھا۔ یہ دلیل عدالت کی نظر میں غیر معقول اور ناقابل قبول ہے کیونکہ استغاثہ نے دھوکہ دہی کا کوئی الزام اپیل کنندگان کے خلاف حتمی چالان میں نہیں لگایا اور نہ ہی عدالت نے ان پر اس قسم کا فرد جرم عائد کیا ہے مقدمے کے اس پہلو کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مقتول کا قتل اس صورتحال میں ایک بہت بڑا معمہ بن جاتا ہے جس کا شہادت بر مثل کی رو سے قابل قبول حل تجویز کرنا ناممکن ہے اور اس سوالیہ نقطے کا استغاثہ کے پاس معقول جواز موجود نہیں ہے۔

۱۹۔ نیز اگرچہ مقتول کی دو تصویریں مثل پر موجود ہیں جن میں سے ایک میں اس کا چہرہ قابل شناخت ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری تصویر میں اس کے جسم کا دھڑ دکھایا گیا ہے لیکن چہرہ ناقابل شناخت ہے۔ ان دونوں تصویروں کو حسب منشاء قانون ثابت بھی نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم یہ ناقابل تردید امر ہے کہ جب مقتول کو دوبارہ نو شہرہ کے مقام پر امانتاً دفنایا گیا تو کافی دنوں بعد اس کی قبر کشائی کی گئی جس وقت اس کی نعش کافی حد تک تحلیل ہو کر ناقابل شناخت تھی اور اسی مشکل کو مد نظر رکھتے ہوئے مستغیث نے اس کی شناخت کا سہارا اس کے پارچات اور چپلوں کی شناخت کے ذریعے لیا۔ حالانکہ ان اشیاء کی شناخت اور مقتول سے جوڑنے سے وہ خود بھی مطمئن نہ تھا۔ مستغیث نے ایسی کوئی وضاحت نہیں دی کہ اکتیس سال سے بیرون ملک رہتے ہوئے اس کو کیسے معلوم ہوا کہ بروز وقوعہ اس کے مقتول بیٹے نے یہی لباس زیب تن کیا تھا۔ نہ تو مستغیث اور نہ ہی کسی گواہ نے ایسا کوئی ثبوت فراہم کیا ہے کہ مقتول نے کس رنگ اور قسم کے کپڑے بروز وقوعہ زیب تن کئے تھے کیونکہ اس کا کوئی گواہ موجود نہ ہے۔ اس ابہام کو دور کرنے کیلئے خود مستغیث نے

مثل پر موجود ایک درخواست جو کہ ضلعی مجسٹریٹ اسلام آباد کو گزاری گئی میں استدعا کی کہ مقتول کا خلیاتی / جینیاتی تجزیہ (ڈی این اے) بذریعہ ماہر کرایا جائے تاکہ مقتول کی شناختِ نعش سے متعلق شکوک و شبہات دور کئے جاسکیں۔ اس درخواست کی نوعیت خود ہی نعش برآمد شدہ از ضلع نوشہرہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے متعلق شکوک و شبہات کو جنم دیتا ہے جو کہ مقدمہ استغاثہ میں ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

۲۰۔ استغاثہ کی کہانی کہ اپیل کنندہ بلال درانی کی نشاندہی پر مقتول کی کار برآمد کی گئی ہے بھی شکوک و شبہات سے بھرپور ہے کیونکہ ایک دوسرے صوبہ میں تفتیش کیلئے نہ تو ضلعی مجسٹریٹ اسلام آباد سے پیشگی اجازت لی گئی اور نہ ہی متعلقہ تھانہ پولیس جس کے علاقہ سے موٹر کار کی برآمدگی کی گئی کو اطلاع دی گئی اور نہ ہی اس تھانے کے روزنامے میں اس برآمدگی سے متعلقہ کوئی اندراج کیا گیا۔

عدالت انسانی خصائل اور فطرت کو مد نظر رکھ کر زیر دفعہ ۲۹ قانونِ شہادت کوئی معقول نتیجہ اخذ کرنے کی مجاز ہے۔ اس اصولِ قانون کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا معقول ہو گا کہ جب ملزمان نے جملہ شہادت کو چھپانے یا غائب کرنے کیلئے انتہائی کاوشیں کیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تو مقتول کی گاڑی کو اپنے ہی گھر کے گیراج میں کھڑا کرنا انسانی عقل و فہم کے مطابق ناقابلِ یقین امر ہے نیز اپیل کنندگان اور دیگر رہائی پانے والے ملزمان نے مقتول کا خالی بٹوہ اور اس کے پتہ کا کارڈ اور دیگر معمولی نوعیت کی اشیاء جو کسی قدر قیمت کی نہ تھیں اپنے پاس کیوں رکھیں تاکہ ان سے ان کی برآمدگی ہو کر ان کے خلاف ایک مضبوط شہادت کے طور پر پیش کی جائے لہذا تفتیش کاروں نے محض ایک تصوراتی کہانی کو افسانے کی شکل دے کر پیش کیا ہے جو انسانی فطرت کے برعکس ہونے کی بناء پر قابلِ رد ہے۔ نیز ان اشیاء کی مصنوعی برآمدگی تفتیش کاروں کی بد نیتی اور ناکام کوشش ظاہر کرتی ہے کہ ایک بے جان مقدمے میں مصنوعی طریقے سے روح پھونکی جاسکے۔ مزید یہ کہ مذکورہ کار کی مقتول کی ملکیت تو درکنار اس کی خرید اور اس کی متعلقہ محکمے میں اندراج کے کاغذات بھی مثل مقدمہ پر نہیں لائے گئے لہذا اس نقطہ نظر سے بھی مذکورہ کار کی برآمدگی استغاثہ کی کہانی کی کسی قسم کی تائید نہیں کرتی۔

۲۱۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ برقی پیغام (ای۔ میل) جو والدِ مقتول کے بند شدہ برقی کھاتا پر بھیجنے کی کوشش کی گئی ایک ناقابلِ یقین شہادت کو بھونڈے طریقے سے تیار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا جو کہ کہانی استغاثہ کی کسی قسم کی تائید کے بجائے اس کو بری طرح مسخ کر کے مشکوک بناتی ہے۔

اول تو یہ کہ ۱۵۔ مددگار پولیس، پولیس محکمے کا انتہائی حساس اور اہم ترین ادارہ ہے جو کہ شہریوں کو درپیش کسی قسم کے خطرے سے نمٹنے کیلئے دن رات تیار رہتا ہے اور اس کے دفتر میں پیغامات ملنے کے اندراج کا ایک منظم اور جامع تحریری اور برقی نظام موجود ہے۔ اس ادارے کی جملہ کارروائی اور پیغام رسانی کو ترتیب دیئے ہوئے طریقے سے متعلقہ روزنامچہ میں باقاعدگی کے ساتھ اندراج کیا جاتا ہے لیکن اس روزنامچے میں اس برقی پیغام سے متعلق اندراج کی نقل اور ملزم کو تھانے سے لے جا کر ۱۵۔ مددگار پولیس ادارے میں پہنچنے کا کوئی اندراج بھی صفحہ مثل نہیں لایا گیا لہذا یہ شہادت بھی انتہائی مشکوک گردانی جاتی ہے نیز مستغیث کے بند شدہ برقی کھاتے پر بھیجا گیا پیغام اور ٹیلیفون کرنے والے کی صدا اور مقتول کا اپنے والد / مستغیث کے نام برقی پیغام جو کہ آلہ صدا بندی (ٹیپ ریکارڈر) میں محفوظ کیا گیا تھا کی شناخت نہ تو روبروئے عدالت کی گئی ہے اور نہ ہی ان صداؤں کو ماہر شناخت صدا کے پاس موازنے کیلئے بھیجا گیا لہذا یہ شہادت بھی کسی انسان کے فہم و عقل کے معیار پر نہ تو پورا اترتی ہے اور نہ ہی یہ شہادت کا درجہ رکھتی ہے بلکہ درحقیقت مقدمے کا یہ تاریک پہلو تفتیش کاروں کی بددیانتی کی طرف اشارہ کرتا ہے چونکہ ناقابل ادخال شہادت کو مثل مقدمہ پر تفتیش کاروں نے ضابطہ کے خلاف لا کر بددیانتی سے کام لیا ہے۔

۲۲۔ چونکہ دونوں اپیل کنندگان طویل عرصے تک حراست پولیس میں رہے لہذا ان کے اقبالی بیانات روبروئے پولیس قانون شہادت کی رو سے کسی شہادت کا درجہ نہیں رکھتے اور قابل اخراج سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اقرار کے بعد موقع کی نشاندہی وغیرہ جو کہ پہلے سے پولیس کے علم میں تھی قانون کے تحت کسی نئی دریافت کے زمرے میں نہیں آتی لہذا عدالت ابتدائی سماعت اور فاضل عدالت عالیہ نے اس شہادت پر انحصار کر کے قانونی غلطی کی ہے۔

مندرجہ بالا بسیار ناقابل تردید نقائص کو پیش نظر رکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تفتیش کاروں کا دوران تفتیش مقدمہ کردار قابل اعتراض اور انتہائی مشکوک رہا ہے کیونکہ ان کی کارستانیوں کے خلاف شہادت بر مثل سے واضح اشارے ملتے ہیں جن کو عدالت کو سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہ ہے۔ تاہم اس قسم کی شکوک و شبہات سے بھرپور شہادت اور جس طریقہ کار کو اپنا کر تفتیش کاروں نے خلاف ضابطہ واقعاتی شہادت کی مختلف کڑیاں ملانے کی ناکام کوشش کی ہے ان پر عدالتی انحصار کرنا انصاف و قانون کے مسلمہ

اصولوں کے عین خلاف ہو گا لہذا ابتدائی عدالت سماعت اور عدالت عالیہ کی غلطیوں کی طرز پر مزید غلطیوں کا ارتکاب کر کے اصول انصاف و قانون کی کسی طور پر خلاف ورزی کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔

۲۳۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر کہ استغاثہ واقعاتی شہادت کی مختلف کڑیاں آپس میں جوڑنے یا منسلک کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا ہے لہذا ایسی صورت میں اپیل کنندگان کی سزائے موت و سزائے قید و بند و جرمانہ کو برقرار رکھنا ناممکن ہے اور اپیل کنندگان کو شک کا فائدہ دے کر دونوں اپیل ہائے کو منظور کیا جاتا ہے۔ دونوں اپیل کنندگان کو جملہ سزائوں سے بریت بخشی جاتی ہے اور مزید حکم دیا جاتا ہے کہ دونوں اپیل کنندگان کو مہتمم جیل جہاں پر وہ مقید ہیں فوری طور پر رہا کرے حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے مقدمہ میں مہتمم جیل کو بند رکھنے کیلئے مزید مطلوب نہ ہوں۔

حکم پڑھ کر عدالت میں سنایا گیا۔

جج

جج

جج

(اشاعت کے لئے منظور)

اسلام آباد ۱۶ جنوری، ۲۰۱۸

﴿فہد ارشد﴾